(غلام گردش)

بنجر صحرا

پانی بڑی تیزی سے کم ہورہا ہے۔قدرت کا یہ تحفہ ناقدری کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ سوسال میں ہم سے واپس لے لیا جائیگا۔یہ فقرے کافی دیر سے سن رہا ہوں۔پرمشکل یہ تھی اور شائد ہے، کہ صرف اور صرف کانوں سے سن رہا ہوں، سمجھ نہیں پارہا۔ہم میں سے اکثریت اسی کیفیت میں ہیں۔جب لوگ دلیل کے مطابق کچھ سننے اور سمجھنے کی قوت سے محروم ہوجائیں، تو تمام مسائل مبہم ہوجاتے ہیں۔پانی کے معاملے پر ہمارا انفرادی اور قومی رویہ بالکل واضح ہے۔ہم اس کو وہ اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں، جو اسکا حق ہے۔

دنیا چیخ چیخ کر بتارہی ہے کہ قدرتی ذخائر کی بھرپور حفاظت کریں۔مگر ہم میں سے اکثریت کیونکہ اسکو مسئلہ سمجھنے سے قاصر ہے۔لہذا کون سا مسئلہ اور کہاں کا مسئلہ! دس برس پہلے مجھے لورالائی میں دوسال رہنے کا اتفاق ہوا۔سرکاری زندگی کے تین سال جو میں نے بلوچستان میں گزارے، مجھے افسر سے انسان بنا گئے۔ایک ایسا خطہ جو اپنی مثال آپ ہے۔جسکے مکین آج بھی رویوں کے اعتبار سے وسطی پنجاب سے بہت اعلیٰ ہیں۔ایک دن ایک بزرگ زمیندار مجھ سے ملنے آیا۔انتہائی بے ساختہ انسان۔حال احوال کے بعد کہنے لگا کہ سیب کا باغ کاٹ ڈالا ہے۔میں حیران رہ گیا۔کیونکہ سیب کے باغ سے کافی معقول آمدنی ہوتی تھی۔سمجھا کہ شائد وہ شخص اب اپنی زمین کو کسی اور طریقے سے زرعی مقاصد کیلئے استعمال کریگا۔مگر اسکا جواب بہت عجیب تھا۔کہنے لگا کہ صاحب، میرے علاقے میں پانی ختم ہوچکا ہے۔باغ کو پانی دینے کیلئے پہلے، پچاس فٹ پر میٹھا پانی میسر تھا مگر اب تو ہزار فٹ پر بھی خشک سالی ہے۔اٹھتے ہوئے کہنے لگا کہ صاحب، جب پنجاب میں پانی کم ہوگا، تب آپ لوگ ہوش میں آئینگے۔ہماری پرواہ کرنے والا تو کوئی نہیں ہے۔وہ اَن پڑھ کاشتکار مجھے اپنی بات اتنی آسانی سے سمجھا گیا کہ پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹر بھی اتنی دانائی سے دریا کو کوزے میں بند نہیں کرسکتا۔مگر ہم تو اتنے ظالم لوگ ہیں، کہ دریا تو دریا، کوزہ ہی غائب کردیا ہے۔اس کاشتکار کی بات میرے دل کو لگی تھی۔چنانچہ میں نے لورالائی کے پانی کے معاملات کا جائزہ لینا شروع کردیا۔حقائق حیران کن تھے۔آدھے ضلع میں جو ہزاروں کلومیٹر پر مشتمل تھا، پانی انتہائی کمیاب ہوچکا تھا۔کاشتکار مجبوری کے عالم میں کھیتی باڑی چھوڑ رہے تھے۔کاریزیں خشک سے خشک تر ہورہی تھیں۔حدتک تو تھی کہ سنجاوی، جہاں باغات اور میوے کی فراوانی تھی۔آہستہ آہستہ خشکی کی طرف جارہا تھا۔زمیندار، سیب، انگور اور دیگر میووں کے باغات کو کاٹنے پر مجبور ہوچکے تھے۔قحط کا سا سماں ہورہا تھا۔جب صوبائی سطح پر یہ معاملہ بتایا گیا تو جواب بالکل سرکاری سا تھا۔شائد جواب اب بھی، اسی طرح کا ہو، یا ملتا جلتا ہو۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دس بارہ برس پہلے چھوٹے صوبوں میں پانی کی کمی کو وہ اہمیت نہیں دی، جو دینی چاہیے تھی۔صورتحال اب کس طرح کی ہے میرے علم میں نہیں، اب بڑے صوبے بھی اس عذاب سے گزر رہے ہیں۔

لاہور پر نظر ڈالیے۔اسکی آبادی کتنی ہے۔صرف اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔تقریباً ایک کروڑ کے انسانوں پر مشتمل یہ خوبصورت شہر پانی کی شدید قلت کا شکار ہوچکا ہے۔آبادی کیلئے تقریباً روزانہ پانچ سو سے سات سو ملین گیلن پانی مہیا کیا جارہا ہے۔جو پوری آبادی کیلئے انتہائی ناکافی ہے۔مگر کیا کسی نے سوچا کہ پچاس برس کے بعد اس شہر میں پانی کے حالات کیا ہونگے۔پانچ دہائیوں کے بعد اس شہر کی

آبادی تین کروڑ ہوگی۔بائیس سو بلین گیلن پانی روزانہ کی ضرورت ہوگی۔سوسال بعد کیا حالات ہونگیں۔اسکے متعلق سوچنے سے تو دل دہلتا ہے۔کسی عقلمند نے یہ مشورہ دیا ہے کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔زیرِ زمین پانی کو نکالتے جایئے۔مسئلہ حل ہوجائیگا۔مگر اس خوفناک فیصلے کا عملی پہلو یہ ہے کہ ہم زمین سے لاہور یوں کیلئے پانی زیادہ نکال رہے ہیں۔مگر زمین کو ہم موقع نہیں دے رہے کہ وہ ہمارے اس ظلم کے جواب میں اپنے قدرتی ذخیرہ کو دوبارہ پورا کرسکے۔نتیجہ یہ کہ زیرِ زمین پانی تیزی سے کم ہورہا ہے۔ہر سال پانی کی سطح دو میٹر کے قریب نیچے جارہی ہے۔راوی کو خشک ہوئے تو عرصہ ہوگیا۔اب تو اس رومانوی دریا میں پانی صرف اس وقت آتا ہے جب ہندوستان اپنے ڈیمز سے پانی چھوڑنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔راوی میں موجود پانی دراصل اب زہر بن چکا ہے۔ہڈیارہ ڈرین،انسانی اور کاروبای فضلہ نے دریا کے ہر قطرے میں اتنا زہر گھول دیا ہے کہ اب پانی انسانی صحت کیلئے انتہائی مضر ہے۔امیر طبقہ تو کب سے بوتلوں میں مقید پانی کو استعمال کررہا ہے۔ہر گھر میں پانی کی بوتلیں استعمال ہورہی ہیں۔مگر غریب تو آج بھی نلکے کا پانی پینے پر مجبور ہے۔وہ تو بے بس ہے کہ اپنی بنیادی ضرورت کو ریاست کی جانب سے مہیا کیے جانے والے وسائل سے پورا کریں چنانچہ اسکے نصیب میں مہلک بیماریاں اور موت کا سامان بہم موجود ہے۔

ایک کورس پر لندن کے نزدیک ایک شہر برائٹن گیا۔تقریباً ڈیڑھ مہینہ ایک ہوٹل میں ٹھہرنا پڑا۔سمندر کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔شائد تیس چالیس کمروں پر مشتمل۔سامان رکھتے ہی عملہ سے پوچھا،کہ کمرے میں پینے کے پانی کا کیا انتظام ہے۔وہ سوال کا جواب نہ دے پائے کیونکہ انہیں سوال ہی سمجھ میں نہ آیا۔پھر انکے منیجر نے فون کیا۔انتہائی تہذیب سے پوچھنے لگا کہ آپکی کیا مدد کرسکتا ہوں؟جب سوال دہرایا تو خاموش ہوگیا۔توقف کے بعد کہنے لگا کہ آپکے کمرے میں پینے کے محفوظ پانی کا وافر انتظام ہے۔باتھ روم میں پانی کی ٹوٹنی موجود ہے۔آپ اسے استعمال کرسکتے ہیں۔اسکا پانی مکمل طور محفوظ ہے۔جواب حیران کن بھی تھا اور فکر انگیز بھی۔برطانیہ کے ہر شہر میں پینے کا پانی ریاست نے اس طرح فراہم کیا ہے کہ ہر گھر میں نل کا پانی استعمال کیلئے بالکل محفوظ ہے۔کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں۔معذرت سے عرض کرونگا کہ ہمارے ملک میں یہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ہر وہ شخص جو تھوڑی سی بھی مالی استطاعت رکھتا ہے،پینے کیلئے بوتل کا پانی استعمال کررہا ہے۔اس اَمر میں شہر اور دیہات کی کوئی تفریق نہیں۔پانی کی بڑی بوتلیں راجن پور میں بھی استعمال ہورہی ہیں اور تھر میں بھی۔کراچی میں بھی اور کوہاٹ میں بھی۔اگر دیکھا جائے تو ریاست اپنے بنیادی مقاصد پورا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔مگر کسی کو پرواہ نہیں۔سوال یہ بھی ہے،کہ کیوں ہو،کیونکہ یہ تو واقعی ابھی غریب کا مسئلہ ہے۔جس دن اس نے امیر کو تنگ کیا،حل خود بخود نکل آئیگا۔

قیامت یہ ہے کہ ہمارے پاس پانی موجود ہے۔مگر ہم میں استطاعت نہیں کہ اسے درست طریقے سے استعمال کرسکیں۔ہمارے آدھے دریا،ہمسایہ ملک کے حوالے کردیے گئے۔خیر،آپ اس مقدار کی طرف آیئے تو ہمارے موجودہ تین دریا،فراہم کررہے ہیں۔دریائی پانی تقریباً 145 ملین ایکڑفٹ ہے۔اس میں سے بیشتر پانی ضائع ہورہا ہے۔تیس ملین تو صرف سمندر میں چلا جاتا ہے۔پچپن ملین ناقص اور ناکارہ نظام ترسیل کی نظر ہوجاتا ہے۔صرف ساٹھ ملین ایکڑفٹ پانی استعمال ہوتا ہے۔زراعت کے

دقیانوسی طریقوں کی بدولت صرف بیس ملین ایکڑ فٹ پانی حقیقت میں فصلیں اُگانے کے کام آتا ہے۔ اگر دیانت داری سے دیکھا جائے تو ہم اپنا اَسی فیصد پانی ضائع کررہے ہیں۔ دنیا ہمیں سمجھا رہی ہے کہ ہم اپنے کاشتکار کو اس سطح پر لیکر آئیں کہ وہ پانی کے جدید استعمال کو سمجھے۔ اسے اندازہ ہو، کہ صدیوں پرانے جس طریقے سے فصلوں کو پانی دے رہا ہے، اس سے نہ صرف پانی ضائع ہو رہا ہے بلکہ اسے بھی کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہر قوم کی کامیابی کو جانچنے کا شفاف طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ اندازہ کریں کہ وہ اپنے پانی کو کس طرح محفوظ کرتے ہیں۔ پانی کو ذخیرہ کرنے کیلئے انہوں نے کیا انتظامات کررکھے ہیں۔ انہوں نے کتنے ڈیم بنائے ہیں جنکی بدولت وہ اپنے شہریوں کو پورا سال بلاتعطل پانی فراہم کرسکیں۔ پانی کو کتنی مدت کیلئے ذخیرہ کرسکتے ہیں۔ ڈیم بنانے میں ہماری ریاستی روش اطمینان بخش نہیں ہے۔ وہی پرانے تین چار ڈیم، جو چالیس سال پہلے بنائے دیے گئے۔ بس اسی پر توکل ہے۔ کالا باغ ڈیم بنانے کی باری آئی، تو سب کو اندازہ تھا یہ ملک کے آبی مسائل حل کردیگا۔ لوڈشیڈنگ بھی ختم ہوجائیگی۔ مگر اس پورے پروگرام پر اتنی سیاست کی گئی، کہ کوئی جرات ہی نہیں کرسکتا، کہ اسکا نام تک لے سکے۔ جب کسی کو یہ کہتے ہیں کہ دلیل سے بتائے کہ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کیوں کررہا ہے، تو جذباتیت اور صوبہ پرستی میں پناہ لی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کالا باغ ڈیم نہیں بنے گا۔ کیونکہ اب یہ مسئلہ انتظامی نہیں رہا۔ بلکہ خالصتاً سیاسی بنادیا گیا ہے۔ چند سیاسی جماعتیں تو خیر، اس پر سیاست چمکا کر صوبائی حکومتیں بھی حاصل کرچکی ہیں۔ بے چارہ کالا باغ ڈیم کے حق میں کون بات کریگا۔ پاکستان کے پاس پانی کے ذخیرہ کرنے کے وسائل صرف اور صرف تیس دن کے ہیں۔ جبکہ ہندوستان اپنے پانی کو ایک سو ستر دن کیلئے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ میں امریکہ یا یورپ کی بات نہیں کرنا چاہتا۔ مصر جیسا ملک اپنے آبی ذخائر کو ایک سال سے زیادہ برقرار رکھ سکتا ہے۔ صرف تیس دن پانی کے ذخائر کے ساتھ ہم کسی آفت یا مصیبت کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں۔

صاحبان ہم بہت عجیب لوگ ہیں۔ پانی کو بے دریغ ضائع کرتے ہیں۔ اسکو غلط بلکہ سفاک طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اس نعمت کو محفوظ رکھنے کی استطاعت بڑھانے میں بھی لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں۔ اس نکتہ پر بھی دست وگریباں ہیں کہ ڈیم کہاں اور کدھر بنانے ہیں۔ اندازہ نہیں ہو پارہا کہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے بلکہ گزر چکا ہے۔ اگر یہی چلن رہے تو پچاس سے سو برس بعد پورا ملک ایک ریگستان بن جائیگا۔ ایک بنجر صحرا۔

راؤ منظر حیات

Dated:20 Mar 2016